آغا خان یونیورسٹی ایگزامینیشن بورڈ

ایچ ایس ایس سی سال اوّل مئی 2018 اُردو امتحان کے مارکنگ نکات

تعارف:

اس رپورٹ میں طلبہ کے ہر سوال کی کارکردگی پر عمومی تاثرات اور طلبہ کے جوابات کی چند مخصوص مثالیں، جو دیے گئے تاثرات کی توضیح کرتی ہیں، شامل ہیں۔ برائے مہربانی اس بات کو مدِ نظر رکھا جائے کہ یہ بیانیہ تاثرات ای مارکنگ سیشن سے جمع کیے گئے ہیں جو بہتر اور کمزور جوابات کے عمومی خیال کو ظاہر کرتے ہیں جب کہ، اس دستاویز میں شامل کیے گئے طالبِ علموں کے جوابات دیے گئے تاثرات میں سے چند مخصوص مثالوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

ای مارکنگ نوٹس:

یہ رپورٹ پرچے میں شامل ہر سوال پر طلبہ کی کارکردگی پر ممتحنوں کی رائے اور طلبہ کی طرف سے دیے گئے جوابات کی چند مثالوں پر مشتمل ہے۔ یہ رائے طلبہ کی طرف سے دیے گئے اچھے اور کمزور جوابات کے بارے میں ای مارکنگ میں حصّہ لینے والے ممتحنوں کے مجموعی تاثر کی بنیاد پر مرتب کی گئی ہے، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ یہاں پیش کیے گئے طلبہ کے جوابات صرف مثال کے طور پر دیے گئے ہیں۔

ایچ ایس ایس سی سال اوّل کا اردو لازمی پرچہ دوم / II چار سوالات پر مشتمل ہے۔ سوال نمبر ایک کے چار جُزو ہیں جب کہ سوال نمبر دو کے پانچ جُزو ہیں۔ یہ دونوں سوالات نصاب میں شامل 'مجموعہ نظم و نثر' کا احاطہ کرتے ہیں۔ پرچے کے اس حصّے میں CRQs کے ذریعے طلبہ کی لغوی اور گہری معنوی سمجھ بوجھ کے ساتھ ان کی استدلالی صلاحیت کی بھی جانچ ہوتی ہے۔ سوال نمبر تین اور چار ERQs ہیں جو بالترتیب تخلیقی تحریر اور خط نویسی سے متعلق ہیں۔ اس تحریری امتحان میں لکھے گئے مواد کی مناسبت، درست زبان کے استعمال، جملوں اور پیراگراف کے درمیان ربط اور خط یا مضمون کی درست ساخت کے استعمال کی جانچ ہوتی ہے۔

اساتذہ اور طلبہ کو علم ہونا چاہیے کہ سوال ایسے انداز میں پوچھا جاسکتا ہے جس سے کسی / حاصلِ تعلم SLO کے مطابق ان کی معلومات، سمجھ بوجھ اور علم کے اطلاق کی بھی کی جانچ کی جاسکتی ہو۔

طلبہ کو یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ کسی بھی سوال کو دیے گئے نمبرات /Marks دراصل جواب لکھنے کے لیے مہیا کی گئی جگہ کے مطابق ہوتے ہیں جو اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ مطلوبہ جواب کتنا طویل ہونا چاہیے۔ زیادہ نمبرات / Marks کے حصول کے لیے غیر ضروری طوالت درکار نہیں۔ مخصوص جگہ سے زیادہ لکھنا دوسرے سوالات کے لیے دیے گئے وقت کو ضائع کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔

طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ SLOs میں استعمال ہونے والے Command Words / کلماتِ امریہ سے واقف ہوں کیوں کہ یہی Command Words / کلماتِ امریہ سوالات میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ تمام سوالات میں Command Words / کلماتِ امریہ استعمال نہیں ہوتے اور "کیوں"، "کیا" اور "کیسے" جیسے سوالیہ الفاظ بھی سوالات کا حصّہ ہوسکتے ہیں۔

تفصیلی تاثرات:

سوال نمبر 1:

(الف) "آپ کہاں ٹھہر رہے ہیں؟" انھوں نے چلتے چلتے پوچھا اور میں ان کا "چھوٹا موٹا" سامان اُٹھا کر ٹیکسی کی طرف چلنے لگا۔ "سفیر پاکستان کے گھر" میں نے پُھرتی سے جواب دیا۔ "اصل میں وہ بے چارے میرے اَدب کے بڑے مدّاح ہیں"۔ میں نے سوچا کہ چلتے چلاتے یہ کم از کم اتنا جان لیں کہ میں ایک ادیبِ شہیر ہوں۔

اچھا! وہ مسکرائیں "شاید وہ ہوائی اڈے پر بر وقت نہ پہنچ سکے"۔

"ہاں وہ بے چارے چند روز سے بیمار ہیں" میں نے لاپروائی برتی۔ "پرسوں مجھے بغداد میں ان کا تار مل گیا تھا کہ وہ خود نہ آسکیں گے۔ اب میں ان کا گھر تلاش کرنے والا ہوں۔ میرا خیال ہے ٹیکسی ڈرائیور کو پتا بتا دینا کافی ہوگا"۔

مگر وہ ہوائی کمپنی کی خاتون کچھ بھولی اور بد تمیز نکلیں۔ وہ بیچ میں بول پڑیں۔ "اوہ موسیو! آپ کے سفیر تو ہفتے بھر پہلے کہیں باہر چلے گئے ہیں۔ وہ ہمارے ہی جہاز سے آتے جاتے ہیں۔ وہ ایک بہت شریف اور خوش اخلاق سفیر ہیں"۔ میرا دل دہل گیا۔ فرنچ خاتون بغیر کچھ بولے ٹیکسی میں بیٹھ گئیں۔

درج بالا نثر پارے کے تناظر میں مصنّف کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بتایئے کہ اس طرح کے جھوٹ، جنھیں بے ضرر اور معصومانہ سمجھ کر بولتے رہتے ہیں، ہماری شخصیت پر کیسا اثر ڈالتے ہیں؟ دو نکات لکھیے۔ نیز مصنّف کا حوالہ دیجیے۔

بہتر جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کی اکثریت نے اس سوال کے دونوں حصوں کا بغور مطالعہ کیا اور عمدہ جوابات تحریر کیے۔ انھوں نے دیے گئے اقتباس کے تناظر میں بے ضرر سمجھ کر بولے جانے والے جھوٹ کا جائزہ لیتے ہوئے مصنّف کے کردار پر تبصرہ کیا اور اس جھوٹ کے انسان کی شخصیت پر ڈالنے والے اثرات دو نکات میں بیان کیے۔ مثلاً ایک جھوٹ انسان کے لیے ذاتی شرمندگی اور ذہنی بیماری کا سبب تو بنتا ہی ہے لیکن اس کی معاشرتی زندگی میں تعلقات کی تباہی، نا اعتباری اور اچھے کاموں پر بھی پانی پھیرنے کا سامان بھی پیدا کرتا ہے۔ طلبہ نے سبق 'خلیل جبران کے دیس میں' اور مصنّف 'جمیل الدین عالی' کا حوالہ بھی درست لکھا۔ طلبہ نے موزوں ذخیرۂ الفاظ کا استعمال کیا اور تحریر میں ربط و تسلسل برقرار رکھا۔ بہتر جوابات کی مثالوں میں بھی املا کی ایک آدھ غلطیاں نظر آئیں۔

مثال:

یہ اقتباس "خلیل جبران کے دیس میں" سے لیا گیا ہے۔ یہ ایک سفرنامہ ہے جو
کہ جمیل الدین عالی نے لکھی ہے۔ درج بالا نثر پارے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ
مصنف ایک مشہور ادیب تھے مگر غریب تھے اور اپنی مفلسی چھپانے کے
لیے جھوٹ کا سہارا لے رہے تھے جو کہ ایک برا فعل ہے۔ پہلی بات
تو یہ کہ اگر جھوٹ بولنے والے کی سچائی سامنے آ جائے تو لوگوں کی نظروں
میں وہ گر جاتا ہے۔ دیکھا جاتا ہے نا جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ مصنف کے
ساتھ بھی یہی ہوا۔ دوسری بات یہ کہ نہ صرف دوسروں کی
نظروں میں بلکہ ہم خود بھی شرمندہ ہو جاتے ہیں اور کسی کو منہ دکھانے
کے قابل نہیں رہتے۔ مزید یہ کہ جھوٹ انسان کو اندر سے کھوکھلا
بنا دیتا اور دوسری برائیوں کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسی وجہ سے جھوٹ
کو ساری برائیوں کی ماں کہا گیا ہے۔

ناقص جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کی کچھ تعداد ایسی تھی جس نے سوال کو بغور پڑھے یا سمجھے بغیر جواب تحریر کیا۔ طلبہ نے یا تو مصنف اور سبق کا حوالہ غلط لکھا یا بالکل نظر انداز کیا۔ طلبہ نے مصنف کی لبنان میں موجودگی اور ان کی مصروفیات کے بارے میں وہ تفصیلات تحریر کر ڈالیں جو سوال کا حصہ نہ تھیں۔ کچھ جوابات سے ایسا تاثر دیکھنے کو ملا کہ طلبہ کو سوال پڑھنے میں بھی مشکلات پیش آئیں کیوں کہ طلبہ نے سوال کے متن کا بالکل اُلٹ مفہوم تحریر کرتے ہوئے جواب تحریر کیا۔ کچھ طلبہ نے دونوں کرداروں یعنی فرنچ خاتون اور مصنّف کے درمیان ہونے والے مکالموں کو بھی ادل بدل کر رکھ دیا۔ بعض جوابات میں دو نکات تو بیان کیے گئے لیکن املا کی اغلاط اور ربط و تسلسل نہ ہونے کے باعث جواب کا تاثر بھی کم ہو گیا۔ جوابات کی ایسی مثالوں میں ذخیرۂ الفاظ کی کمی واضح طور پر نظر آئی۔

مثال نمبر1:

اس میں مصنف کا کردار [illegible] مصنف اپنے آپ کو مسافر بنا کر
دکھاتا ہے۔ مسافر جو مختلف ملکوں میں سفر کرتے رہتے ہیں
پرانے واقعات کو سے واقف مہمان نواز، قبیلوں
جیسا
اس طرح کے جھوٹ جنہیں ہم بے ضرر اور معصومانہ
سمجھ کر بولتے ہیں یہ ہمارے معاشرے پر بہت گہرا
اثر ڈالتے ہیں اور اگر جھوٹ بولنے کے بعد سچائی معلوم
ہو جائے تو اس سے انسان کی شخصیت پر بہت برا
اثر پڑتا ہے اور ہم دوسری بار اس شخص
کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہیں رہتے۔

مثال نمبر2:

(4 نمبر) حوالہ دیجیے۔ احسان اللہ خان
یہ عبارت [illegible] کے سبق سے لیا گیا ہے اور اس کے
مصنف [illegible] مرزا فرحت اللہ بیگ ہیں
جس طرح ہم معصومانہ جھوٹ بولتے ہیں اسے ہماری شخصیت پر گہرا
اثر ہوتا ہے آہستہ آہستہ کرتے ہم جھوٹ بولنا سیکھ جاتے ہیں جو
کہ غلط ہے جس طرح اس عبارت میں اس عورت نے اس آدمی
کے بارے میں جھوٹ بولا کہ وہ بہت شریف ہے خوش اخلاق ہے لیکن
نہ تھا یہ سن کر مصنف کا دل دہل گیا۔ اسی لیے ہمیں جھوٹ
نہیں بولنا چاہیے کیونکہ ہمارا چھوٹا سا چھوٹا جھوٹ کسی کو بڑی
سے بڑی مصیبت میں ڈال سکتا ہے۔

تجاویز:

- اساتذہ کو چاہیے کہ طلبہ کو مختلف حالات وواقعات کے تناظر میں تبصرہ لکھنے کی مشق کرائیں۔
- طلبہ کی رہنمائی کریں کہ سوال پڑھنے کے بعد اس پر غور کرنے اور سمجھ کر جواب لکھنے کی عادت اپنائیں۔
- دورانِ تدریس اسباق میں ذکر شدہ باتوں اور حقائق کے بارے میں گہرے تفہیمی سوال تیار کریں اور طلبہ کی رائے لیں۔
- درسی متن کا طلبہ کی ذاتی زندگی اور ماحول سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کریں تاکہ طلبہ میں سبق کے اطلاقی پہلو کا بھی شعور پیدا ہو سکے۔

سوال نمبر 1:

(ب) 'اخبار آتے ہی اس نے سب سے پہلے کانفرنس کی خبر تلاش کی۔ اسے زیادہ دقت نہ ہوئی۔ پہلے ہی صفحے پر اسے نمایاں طور پر شایع کیا گیا تھا۔ لیکن چند ہی جملے پڑھے ہوں گے کہ اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ لکھا تھا:

"آج کا اجلاس بے حد کامیاب رہا۔ حاضرین نے جنابِ صدر کا فکر انگیز اور بصیرت افروز خطبۂ صدارت پوری توجہ سے سُنا، بار بار تالیاں بجا کر خراجِ تحسین پیش کیا"۔

وہ آگے نہ پڑھ سکا۔ جھنجلا کر اخبار ایک طرف پھینکا۔'

درج بالا اقتباس آپ کی درسی کتاب کے سبق 'اُستادِ محترم' سے لیا گیا ہے۔ اس اقتباس میں رونما ہونے والے واقعے کو بیان کرتے ہوئے اس جلسے میں موجود سامعین و ناظرین کی علمیّت پر اپنی تنقیدی رائے لکھیے۔

بہتر جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کی اکثریت نے اس سوال کے پہلے حصّے یعنی اقتباس میں رونما ہونے والے واقعے کو تسلسل سے اور عمدہ طریقے سے بیان کیا۔ سوال کے دوسرے حصے میں طلبہ سے سامعین وناظرین کی علمیت پر تنقیدی رائے لکھنے کو کہا گیا تھا اگرچہ طلبہ نے بظاہر پڑھا لکھا کہلانے والے اس معاشرے کے اس جاہلانہ روّیے کا ذکر کیا جو علم سے حقیقی محبت نہیں رکھتے جو علم کو علم سمجھ کر نہیں پڑھتے مگر اچھے جوابات کی مثالوں میں گہری تفہیم اور حقائق کا ادراک کر کے تنقیدی رائے دینے کے پہلو میں واضح طور پر کمی دیکھنے کو ملی۔ طلبہ نے اس خطبے کے سامعین وناظرین کی علمیت کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر کیانی کے ان خوابوں اور احساسات کے بارے میں نہیں سوچا۔ چوں کہ پروفیسر کیانی نے زندگی کی نصف صدی معاشرے میں علم کی روشنی پھیلانے میں گزری تھی اس لیے انھوں نے تقریب میں موجود ناظرین سے امیدیں باندھ رکھی تھیں کہ وہ سب لوگ پڑھے لکھے ہیں اس لیے سخت احتجاج کریں گے مگر ہمارے معاشرے میں علم کی حقیقی قدر نہیں ہے اور پڑھے لکھے جاہلوں کے معاشرے میں ایسی سیاسی شخصیات، جن کو اپنی تقریر لکھنی نہیں آتی، رہبری کے فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔ اور ان کا اثرورسوخ بھی اتنا ہے کہ پڑھے لکھے لوگوں سمیت میڈیا کو بھی اندھا، بہرا اور گونگا بننا پڑتا ہے۔ خطبہ سن لینے کے بعد سب کا داد دینا ظاہر کرتا ہے کہ ہم علمی باتوں کی قدر نہیں کرتے اور اثرورسوخ رکھنے والوں کی علمیّت پر سوال کرنے کے بجائے اپنی علمیّت کو بھی خاک میں ملا دیتے ہیں۔ طلبہ کے اچھے جوابات کی مثالوں میں الفاظ کا بہترین ذخیرہ نظر آیا اور جملوں میں ربط وتسلسل کا خیال بھی رکھا گیا۔

مثال:

استاد نے اپنی جھنجلاہٹ اور دن بھر کی مصروفیات کو درہم برہم کرنے کا بدلہ لینے کے
لیئے نہایت ہی کج فہم اور مہمل الفاظ کو شامل تقریر کیا جو کہ صدرِ مجلس نے سامعین
کے گوش گزار کر دی تھی۔ مگر نتیجہ بلکل الٹ نکلا اور جلسہ بہت کامیاب رہا۔
سامعین اور ناظرین پر صدرِ مجلس کی بصیرت اور علمی ذوق کی دھاک بیٹھ گئی
ایسا اس لیئے ہوا کہ سامعین اور ناظرین مجلس خود بھی صدر جیسے ہی کج فہم
اور علمی ذوق سے نابلد تھے، وہ جو سن رہے تھے وہ انکی سمجھ سے بالاتر تھا اور انکے
خیال میں صدر صاحب بہت ہی اچھے مقرر تھے۔ علمی ذوق سامعین و ناظرین
کو چھو کر تک نہیں گزرا تھا اسلیئے وہ محو تماشہ تھے۔ اور کبھی کبھار جوش میں آکر
تالیاں بھی بجانے لگ جاتے۔

ناقص جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ نے واقعے کو کچھ حد تک درست بیان کیا لیکن سطحی طور پر سوال کا متن پڑھنے کی وجہ سے ابہام کا شکار نظر آئے۔ جس کی اہم وجہ افسانے کے سیاق و سباق سے نابلد ہونا تھا۔ طلبہ کے دیے گئے جوابات سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ وہ سوال کو سمجھ نہیں سکے۔ تنقیدی رائے لکھتے ہوئے واقعے کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کیا۔ کچھ طلبہ دیے گئے متن سے بھی مکمل طور پر ناواقف نظر آئے جس کی وجہ سے اپنی بات میں وزن پیدا نہ کر سکے یہاں تک کہ سامعین کا پڑھا لکھا ہونا اور ان کا تقریر سننا بھی ان کے ذہن میں سوالات پہ سوالات ابھارتا رہا۔ ناقص جوابات کی کچھ مثالوں میں ذخیرۂ الفاظ کی کمی، املا کی اغلاط کا زیادہ تناسب اور جملوں میں ربط و تسلسل کا بھی فقدان نظر آیا۔

مثال:

اس سبق میں مریض صاحب ایک بہت اچھا سبق بتا دیے
ہے کہ اس نے سب بر ماحول چھوڑ دی اور دنیا کی دولت
کے پیچھے دیوانہ ہو گیا جب جا کے اسے احساس ہوا کہ
وہ کہ جا کے کتنا بھی امیر ہو جائے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی تعریف بھی
نہ پڑھ سکا۔ اس میں شاعر آج کل کے طلبار کا ذکر کرتے ہے وہ آج کل
طالب علم کے نزدیک تعلیم کوئی حیثیت نہیں رکھتی لیکن صرف
دولت ہی سب کچھ ہے آج اگر آج وہ پڑھا لکھا ہوتا تو جب
محنت کر کے بڑا آدمی بن کے سامنے سلقہ اپنی خود کی
تعریف بھی پڑھ سکتا تھا۔

تجاویز:

- اساتذہ کو چاہیے کہ افسانے کی تدریس کے وقت افسانے کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرائیں تا کہ طلبہ میں تجزیاتی اور تنقیدی شعور پیدا ہو۔
- طلبہ کی رہنمائی کی جائے کہ واقعہ نگاری کیسے کی جائے۔
- اساتذہ طلبہ کو کلمۂ امر یہ 'تنقیدی جائزہ لینا' کی فہم میں مدد کریں اور اس کی مشق کرائیں۔

سوال نمبر 1 :

(ج) 'آغا حشر کو ہندوستان کے شیکسپیئر کا خطاب دے دیا گیا۔ انھیں خود بھی یہ لقب پسند تھا۔ چناں چہ انھوں نے جب 1912ء میں اپنی ڈراما کمپنی کا آغاز کیا تو اس کا نام انڈین شیکسپیئر تھیئٹریکل کمپنی رکھا۔'

درج بالا بیان کے تناظر میں آغا حشر کاشمیری کی ادبی شخصیت پر روشنی ڈالیے۔ نیز اُن کی ڈراما نگاری کی **تین** خصوصیات تحریر کیجیے۔

نوٹ: اس سوال کے بہتر جوابات اور ناقص جوابات کا تناسب برابر رہا

بہتر جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ نے سوال کے دونوں حصوں کو بہ خوبی نبھایا۔ طلبہ نہ صرف آغا حشر کاشمیری کی ادبی شخصیت سے واقف نظر آئے بلکہ بطور ڈرامہ نگار ان کی ادبی زندگی کے کم و بیش تمام پہلوؤں پر کم از کم تین سے چار جملے تحریر کئے اور ان کی تین شاعرانہ خصوصیات منظر نگاری، جذبات نگاری، شستہ مکالمہ نگاری وغیرہ وضاحت سے تحریر کیں۔ طلبہ نے جملوں کے مابین ربط و تسلسل کو قائم رکھا۔ موزوں الفاظ کے چناؤ اور اغلاط سے پاک تحریروں نے جواب کے تاثر کو مزید بہتر بنا دیا۔

مثال نمبر 1:

(5 نمبر) تحریر کیجیے۔ خصوصیات۔

1) آغا حشر کاشمیری کے ڈراموں کا پلاٹ سنجیدہ مگر دلچسپ اور سبق آموز ہوتا ہے۔

2) انہوں نے اپنے ڈراموں میں ایسی منظر کشی کی ہے اور انتہے شستہ مکالمے شامل کیے ہیں کہ کرداروں کا فرضی کے بجائے جاندار ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

3) انہوں نے مکالمے کے اندر جابجا شعر استعمال کرکے ان کو اور پرکشش اور سحر انگیز بنا دیا۔

ادبی شخصیت۔ آغا حشر کاشمیری کو ڈرامہ نگاری کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔ جس کو انھوں نے اپنے ڈراموں میں استعمال کیا۔ آپ کے ڈراموں کو کئی زبانوں میں مترجم کیا جا چکا ہے۔ آپ نے ابتدائی دور میں شروعات شیکسپیئر کے انگریزی ڈراموں کو اردو میں ترجمہ کرکے کی۔ یہودی کی لڑکی آپ کی نمایاں تحریر

مثال نمبر2:

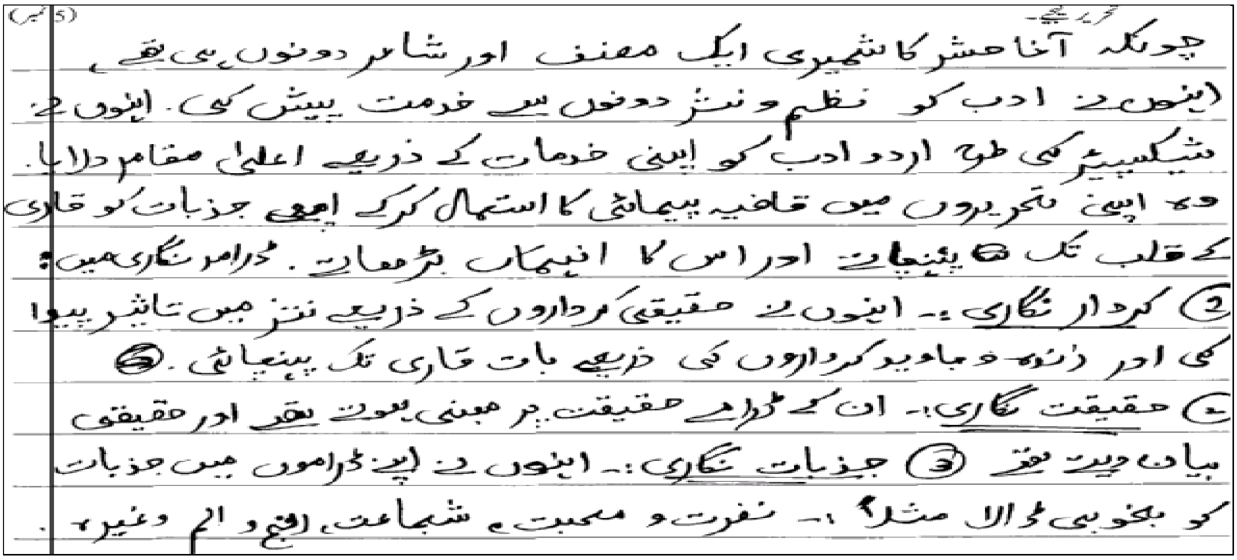
(5 نمبر) تحریر کیجیے
چونکہ آغا حشر کاشمیری ایک مصنف اور شاعر دونوں ہی تھے
انہوں نے ادب کو نظم و نثر دونوں سے خدمت پیش کی۔ انہوں نے
شیکسپیئر کی طرح اردو ادب کو اپنی خدمات کے ذریعے اعلیٰ مقام دلایا۔
وہ اپنی تحریروں میں قافیہ پیمائی کا استعمال کرکے اپنے جذبات کو قاری
کے قلب تک پہنچاتے اور اس کا انہماک بڑھاتے۔ ڈراما نگاری میں:
(1) کردار نگاری:۔ انہوں نے حقیقی کرداروں کے ذریعے نثر میں تاثیر پیدا
کی اور زندہ و جاوید کرداروں کی ذریعے بات قاری تک پہنچائی۔
(2) حقیقت نگاری:۔ ان کے ڈرامے حقیقت پر مبنی ہوتے تھے اور حقیقی
بیان دیتے تھے (3) جذبات نگاری:۔ انہوں نے اپنے ڈراموں میں جذبات
کو بخوبی ڈالا مثلاً:۔ نفرت و محبت، شجاعت، رنج و الم وغیرہ۔

ناقص جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کی آدھی تعداد سوال کی ہیئت سمجھنے سے قاصر رہی۔ طلبہ نے آغا حشر کاشمیری کا ادبی مقام یا ان کی ادبی شخصیت کو نظر انداز کر کے صرف تحریری خصوصیات تحریر کیں۔ کچھ طلبہ ادبی شخصیت کے مفہوم سے ناواقف نظر آئے۔ طلبہ کی تحریروں میں املا کی اغلاط جا بجا دیکھنے کو ملیں۔ جملوں میں ربط و تسلسل کی کمی نے اس کے تاثر کو مزید کم کر دیا۔ کچھ طلبہ نے سوال کے متن پہ ہی اکتفا کرنا مناسب سمجھا اور انہی باتوں کو دہراتے ہی دی گئی سطور کو بھرنے کی کوشش کی۔

مثال:

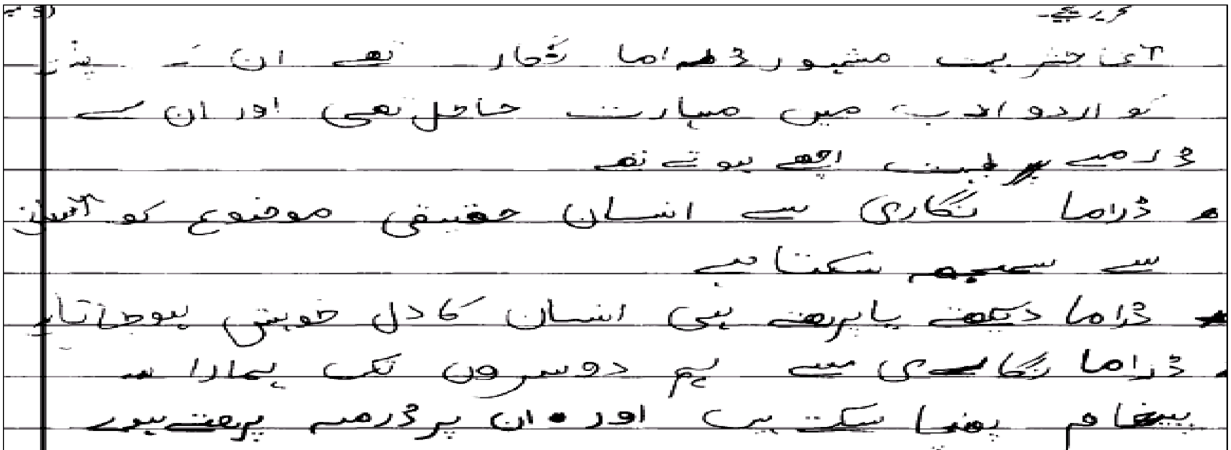
تحریر کیجیے
آغا حشر ایک مشہور ڈراما نگار تھے ان کے پاس
کو اردو ادب میں مہارت حاصل تھی اور ان سے
ڈرامے بہت اچھے ہوتے تھے
ڈراما نگاری سے انسان حقیقی موضوع کو آسانی
سے سمجھ سکتا ہے
ڈراما دیکھنے یا پڑھنے سے انسان کا دل خوش ہوجاتا ہے
ڈراما نگاری سے ہم دوسروں تک ہمارا
پیغام پہنچا سکتے ہیں اور ان پر ڈرامہ پڑھنے سے
ویسی ہی کیفیت طاری ہوجاتی ہے جیسی اصل میں ہوتی

تجاویز:

- ❖ اساتذہ کو چاہیے کہ طلبہ کو ادباء و شعراء کی ادبی شخصیت اور تحریری خصوصیات کی فہم میں مدد دیں۔

سوال نمبر1:

(د) سبق 'مرزا غالب بندر روڈ پر' کو مد نظر رکھتے ہوئے بخت آور اور سیٹھ کے اُردو بولنے کے انداز کے بارے میں اپنی رائے دیجیے۔

بہتر جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

بہت کم طلبہ ایسے تھے جو اس سوال کا جواب درست تحریر کر سکے۔ ڈراما مرزا غالب بندر روڈ پر کے دو کرداروں کے اردو بولنے کے انداز سے طلبہ کی اکثریت ناواقف نظر آئی۔ بخت آور کی اردو صاف اور سشتہ جبکہ سیٹھ صاحب کی اردو میں جملے کی ساخت، الفاظ کا درست لب ولہجہ اور اندازِ بیان کا درست استعمال نظر نہیں آرہا تھا یعنی سیٹھ صاحب کی مادری زبان کا اثر اردو زبان پہ غالب آرہا تھا۔ اس طرح کا موزوں جواب بہت کم طلبہ نے تحریر کیا اور بہت کم طلبہ ایسے تھے جنھوں نے اس سوال میں پورے دو نمبر حاصل کیے۔

مثال:

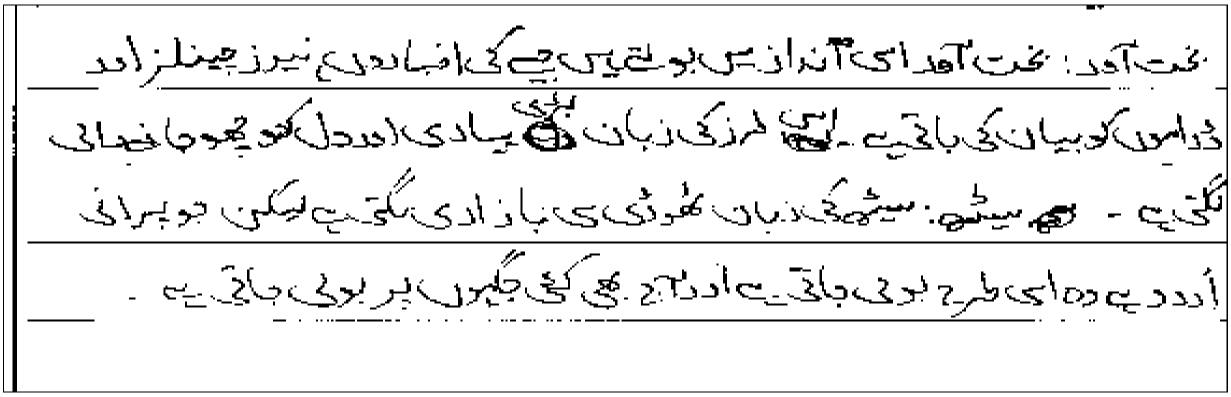
بخت آور: بخت آور اپنے انداز میں بولتی ہے جس کی اصل اردو ہے نیز جملوں اور
ڈائیلوں کو بیان کی باتیں ہے۔ اچھی طرز کی زبان بڑی پیاری اور دل کو چھو جانے والی
لگتی ہے۔ سیٹھ: سیٹھ کی زبان تھوڑی سی بازاری لگتی ہے لیکن جو برائی
اُردو ہے وہ اسی طرح بولی جاتی ہے اور آج بھی کئی جگہوں پر بولی جاتی ہے۔

ناقص جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کی اکثریت نے اس سوال کا جواب درست تحریر نہیں کیا ہے۔ طلبہ کی اکثریت ڈرامے کے کرداروں کی بول چال کے انداز سے ناواقف تھی۔ کچھ طلبہ ایسے تھے جو ڈرامے کے متن سے بھی نابلد تھے۔ مجموعی طور پر اس سوال کے دو نمبر تھے طلبہ کی اچھی خاصی تعداد ایک یا اس سے کم نمبر لے سکی۔

مثال:

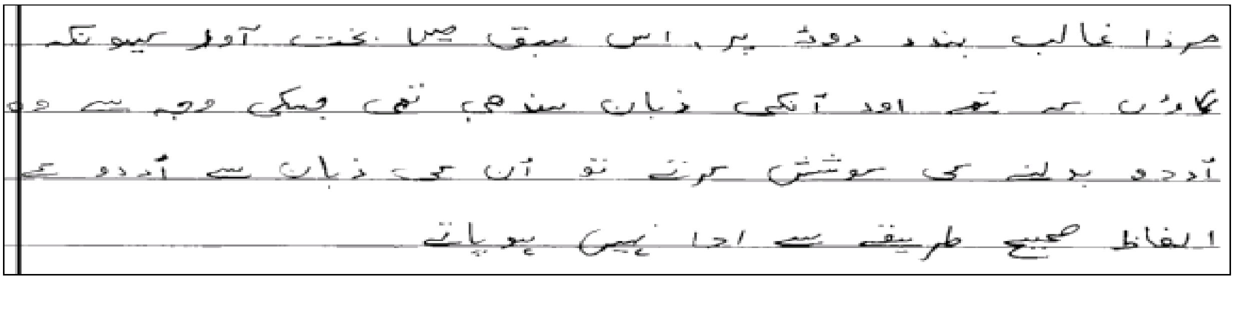
مرزا غالب بندر روڈ پر، اس سبق میں بخت آور کیونکہ
کاٹھیاواڑ سے تھی اور آنکی زبان سندھی تھی جسکی وجہ سے وہ
اُردو بولنے کی کوشش کرتی تو اُن کی زبان سے اُردو کے
الفاظ صحیح طریقے سے ادا نہیں ہو پاتے

تجاویز:

- ❖ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ ڈراما پڑھاتے ہوئے اس میں موجود کرداروں کا تجزیہ اور تنقیدی جائزہ لینے کا موقع فراہم کریں تاکہ طلبہ میں کسی بھی قسم کے سوال کا جواب دینے کی اہلیت پیدا ہو۔
- ❖ دورانِ تدریس طلبہ سے کہا جائے کہ وہ ڈرامے کی پیشکش کریں تاکہ اس کے ذریعے ہر کردار کمرۂ جماعت کے تمام طلبہ کے ذہنوں پر نقش ہو۔

سوال نمبر2:

جو شجر سوکھ گیا ہو وہ ہرا کیسے ہو
میں پیمبر تو نہیں، میرا کہا کیسے ہو

(الف) درج بالا شعر کے تمثیلی پیرائے کی وضاحت کیجیے اور شعر میں موجود صنعت کی نشاندہی بھی کیجیے۔ نیز وہ 'لفظ' یا 'مرکب' تحریر کیجیے جو استعمال کی گئی صنعت کی نشاندہی کرتا ہے۔

نوٹ: طلبہ کی اکثریت کے لیے تمثیلی پیرائے کی اصطلاح بالکل نئی تھی۔ تمام طلبہ نے تمثیلی پیرائے کی وضاحت کی جگہ تشریح لکھ ڈالی اور اس کی مثالیں بہتر جوابات میں بھی نظر آئیں۔ ایسا تاثر ملا کہ تمثیلی پیرائے کی وضاحت سے متعلق حاصلِ تعلّم سے طلبہ کی اکثریت نابلد تھی۔

بہتر جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ نے صنعت کی اور ان الفاظ و مرکبات کی بھی نشاندہی کی جو دیے گئے شعر میں موجود صنعتوں کی نشان دہی کرتے ہیں مثال کے طور پر طلبہ نے شجر، پیمبر، سوکھا اور ہرا کے الفاظ سے تلمیح۔ استعارہ، تضاد وغیرہ کی نشاندہی کی۔ طلبہ کے جوابات سے یہ تاثر ملا کہ وہ صرف ایک روایتی اور لگی بندھی مثال یا صنعت ایک شعر میں نہیں ڈھونڈتے بلکہ عقلی بنیادوں پر اشعار میں چھپے معنی کو ڈھونڈتے ہیں اور ان سے مطابقت رکھنے والی صنعتوں کی نشان دہی اطلاقی بنیادوں پر سوچنے کے بعد کرتے ہیں۔ تاہم تمثیلی پیرائے کی وضاحت کے حوالے سے طلبہ بہتر جوابات کی مثالوں میں بھی الجھن کا شکار نظر آئے اور تشریح لکھ کر تمثیلی پیرائے کی وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ طلبہ نے جملوں میں ربط و تسلسل رکھا اور الفاظ کا اچھا ذخیرہ استعمال کیا۔

مثال نمبر1:

صنعتِ تلمیح: یہ صنعت اس شعر میں استعمال کی گئی ہے اور لفظ "پیمبر" اس کی نشاندہی کر
رہا ہے۔ اس میں پیمبر کے ذریعے پیغمبر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ اُن کا کہا ہمیشہ سچ
ہو جاتا تھا۔ حوالہ: مندرجہ بالا شعر شہزاد احمد کی غزل سے لیا گیا ہے جو شگفتہ انداز
میں اپنے اشعار کو حقیقت سے قریب تر رکھتے ہوئے اُنہیں عرض کرتے تھے۔ تشریح:
اس شعر میں شاعر نے صنعتِ تلمیح کو استعمال کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ جس
طرح اگر ایک شجر جو ہرا بھرا ہو اگر وہ ایک بار سوکھ جائے تو اُس میں کتنا بھی
پانی ڈال لو وہ کبھی دوبارہ ہرا بھرا نہیں ہو سکتا اُسی طرح اگر ایک بار وقت
نکل جاتا ہے وہ گزرا ہوا وقت کبھی واپس نہیں آ سکتا۔ پھر شاعر کہتا ہے کہ
وہ کوئی پیغمبر تو نہیں کہ جو وہ کہے وہ سچ ہو جائے، اگر وہ کسی سوکھے ہوئے شجر کو
واپس ہرا ہونے کو کہے تو وہ ہرا ہو جائے یا گزرے ہوئے وقت کو واپس آنے کو
کہے تو وہ واپس آ جائے۔ اس لئے اس صنعت کا استعمال کیا گیا ہے۔

مثال نمبر2:

اس شعر میں شاعر انسانی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہتے
ہیں کہ انسان کی زندگی میں کوئی غم آجائے تو اسے خوشی میں
تبدیل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انسان کوئی پیغمبر نہیں جس
کے کہنے سے انسان کے حالات بدل جائیں اور اس کے سارے
دکھ ختم ہو کر صرف خوشیاں ہی بچیں۔ اگر انسان کا دل ٹوٹتا
ہے تو اسے اسی ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔
اس شعر میں صنعتِ تضاد استعمال کی گئی ہے۔ لفظ سوکھا اور
ہرا ایک دوسرے کے ضد ہیں۔ شاعر کا اپنے شعر کے کسی
مصرعے میں دو ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جو ایک دوسرے
کے ضد ہوں صنعتِ تضاد کہلاتا ہے۔

ناقص جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کی بڑی تعداد سوال کے تینوں زاویوں کو سمجھنے سے قاصر رہی یعنی تمثیلی پیرائے کی وضاحت، صنعت کی نشان دہی اور الفاظ و مرکبات کی نشان دہی کرنا۔ املا کی اغلاط کی موجودگی اور ذخیرۂ الفاظ کی کمی نے جواب کے تاثر کو مزید کم کر دیا۔ ناقص جوابات کی مثالوں میں طلبہ نے یا تو کسی ایک حصے کا جواب درست لکھا یا پھر تینوں حصوں کا جواب غلط لکھا۔ تمثیلی پیرائے کی وضاحت کی بجائے شعر کی تشریح یا مفہوم تحریر کر ڈالا اور صنعت کی نشان دہی کی مثالوں میں ردیف اور قافیوں کی مثالیں تحریر کیں۔

مثال نمبر1:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ جو چیز ایک بار فنا ہو گئی وہ
واپس پہلے کی طرح کس طرح ہو سکتی ہے جبھی تو خدا
نے ایسا کوئی معجزا عطا نہیں فرمایا جس سے میں اسا
کر سکوں۔
صنعت۔

صنعت تکراری۔

'سو کر گیا، پڑا' ان الفاظ کی وجہ سے پتا
چلتا ہے کہ یہ صنعتِ تکراری ہے کیوں کہ یہ دو الفاظ
ایک دوسرے کے آگے ہیں جو صنعتِ تکراری کی
نشانی ہے۔

مثال نمبر2:

اس شعر میں شاعر لوگوں پر تنقید کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ میں
اب نہایت ہی تھک گیا ہوں لوگوں کو سمجھا سمجھا کر
اب مجھ میں اور ہمت نہیں ہے۔ جو خون پسینا بہایا کسی کام
نہ آیا۔ اس شعر میں صنعتِ کنایا استعمال کی گئی ہے۔
مندرجہ بالا شعر میں "پڑا" اور "کیا" قواعد کی رو سے فاعل
اور "کیسے ہو" خط کشیدہ الفاظ ہیں۔

تجاویز:

- اساتذہ کو چاہیے کہ اشعار موجود صنعتوں کی نشاندہی میں طلبہ کی رہنمائی کریں اور انھیں کئی زاویوں سے سوچنے کا موقع دیں۔
- کسی شعر کے علامتی و تمثیلی پیرائے کی وضاحت کرنا سکھائیں اور حاصلاتِ تعلم میں موجود تمام اصطلاحات کو اپنی تدریس کا حصہ بنائیں۔

سوال نمبر 2:

(ب)

شیشۂ مے کی طرح اے ساقی

چھیڑ مت ہم کو، بھرے بیٹھے ہیں

شاعر کا حوالہ دیتے ہوئے درج بالا شعر کی تشریح کیجیے اور خط کشیدہ الفاظ کا مفہوم بھی تحریر کیجیے۔

بہتر جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کی اکثریت نے شاعر غلام ہمدانی مصحفی کا حوالہ دیتے ہوئے شعر کی تشریح عمدہ طریقے سے کی۔ اور شاعر کے جذبات و احساسات کی بھرپور عکاسی کی۔ شعر کی تشریح کرتے ہوئے طلبہ نے بہتر ذخیرۂ الفاظ کا استعمال کیا۔ جملوں میں ربط و تسلسل واضح طور پر موجود تھا اور املا کی اغلاط نہ ہونے یا ایک آدھ ہونے کی وجہ سے جواب کا تاثر عمدہ رہا۔ طلبہ نے شعر کے خط کشیدہ حصے کی بھی صحیح وضاحت کی۔

مثال:

حوالہ: یہ شعر مصحفی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ تشریح: اس شعر میں شاعر اپنے آپ کو
شیشۂ مے سے تشبیہ دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ جس طرح شراب کے پیالے کو ہم اوپر تک
بھر دیتے ہیں تو وہ مستی حالت میں ہوتا ہے اور اگر اسے ذرا سا چھیڑ دے کوئی تو
شراب اس کے پیالے سے گرنے لگے گی۔ اسی طرح شاعر بھی غم اور تکلیف اپنے دل میں رکھے
ہوئے ہیں اور برداشت کر رہے ہیں اور ان میں اور غم برداشت کرنے کی ہمت اور طاقت
نہیں۔ وہ محبوب کی بے رخی سے غم زدہ ہو گئے ہیں اور بلاواسطہ یہ التجا کر رہے ہیں کہ محبوب
اب یہ ظلم کرنا چھوڑ دے اور نرم لہجہ اپنائے۔ بھرے بیٹھے سے مراد ہے کہ شاعر
نے بہت غم و تکالیف برداشت کی ہوئی ہیں مگر اب برداشت کا پیمانہ ختم ہو چکا ہے۔

ناقص جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کی کم تعداد نے سوال کے پہلے حصّے یعنی شاعر کے حوالے کا تو جواب دیا، لیکن سوال کے دوسرے حصّے یعنی تشریح درست طریقے سے نہیں کر سکے۔ تشریح میں موزوں ذخیرۂ الفاظ کا استعمال نظر نہیں آیا نیز الفاظ کا مفہوم درست نہیں لکھ سکے۔ املا کی اغلاط اور جملوں میں ربط و تسلسل کی کمی نے جواب کا تاثر اور بھی کم کر دیا۔

مثال:

درج بالا شعر "غلام ہمدانی مصحفی" نے لکھا ہے [redacted] ہیں اور کہتے
ہیں کہ جیسے شیشے کو توڑ کر چور کرتی ہے اور وہ ٹوٹ جاتا
[redacted] ہے بلکہ اسی طرح محبوب کا دل جب ٹوٹتا ہے تو بہت
دُکھ ہوتا ہے. شاعر اپنے محبوب سے اتنی محبوب کرتے تھے
لیکن [redacted] ان کا محبوب ان کو اپنے دور [redacted] کرتی تھی لیکن
[redacted] تبھی شاعر [redacted] ان کے گھر کے باہر بیٹھے جاتے تھے.
کے باہر بیٹھے ہیں :- ان کا انتظار کرنا

تجاویز:

- ❖ اساتذہ کو چاہیے کہ تدریس کے وقت لفظی تشریح کے ساتھ اصطلاحی معنی اور تشریح پر زور دیں۔
- ❖ طلبہ کی رہنمائی کریں کہ ہر شعر کی وضاحت معنی و مفہوم کے حوالے کے ساتھ کریں۔

سوال نمبر:2

(ج)

ریختہ کے تمھی اُستاد نہیں ہو غالبؔ

کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

درج بالا شعر میں مرزا غالبؔ جیسے عظیم شاعر نے بھی میر تقی میرؔ کو ریختہ یعنی اردو شاعری کا استاد مانا ہے۔ غالبؔ کی اس رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے میرؔ کی **تین** شاعرانہ خصوصیات کا ذکر کیجیے۔

بہتر جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ نے سوال کو پورا اور سمجھ کر پڑھا۔ میرؔ کی شاعرانہ عظمت بیان کرتے ہوئے مرزا غالب کی رائے کی تائید کرتے ہوئے اپنی رائے دی اور تین شاعرانہ خصوصیاتِ بہتر انداز میں بیان کیں۔ طلبہ نے جواب میں تبصرے کا انداز اپنایا۔ طلبہ نے میر تقی میر کی شاعری کی درست خصوصیات مثلاً سادگی اور زبان و بیان کی اصلاح، سوز و گداز، رنگِ تغزل، آفاقیت، مقصدیت اور صنائع بدائع کا استعمال وغیرہ تحریر کی ہیں۔ بہتر جوابات کی مثالوں میں طلبہ نے غلطی سے پاک تحریر یا صرف ایک آدھ غلطیاں کیں۔ طلبہ کا ذخیرۂ الفاظ اچھا تھا اور جملوں میں ربط و تسلسل نے جواب کے مجموعی تاثر کو مزید بہتر بنا دیا۔

مثال:

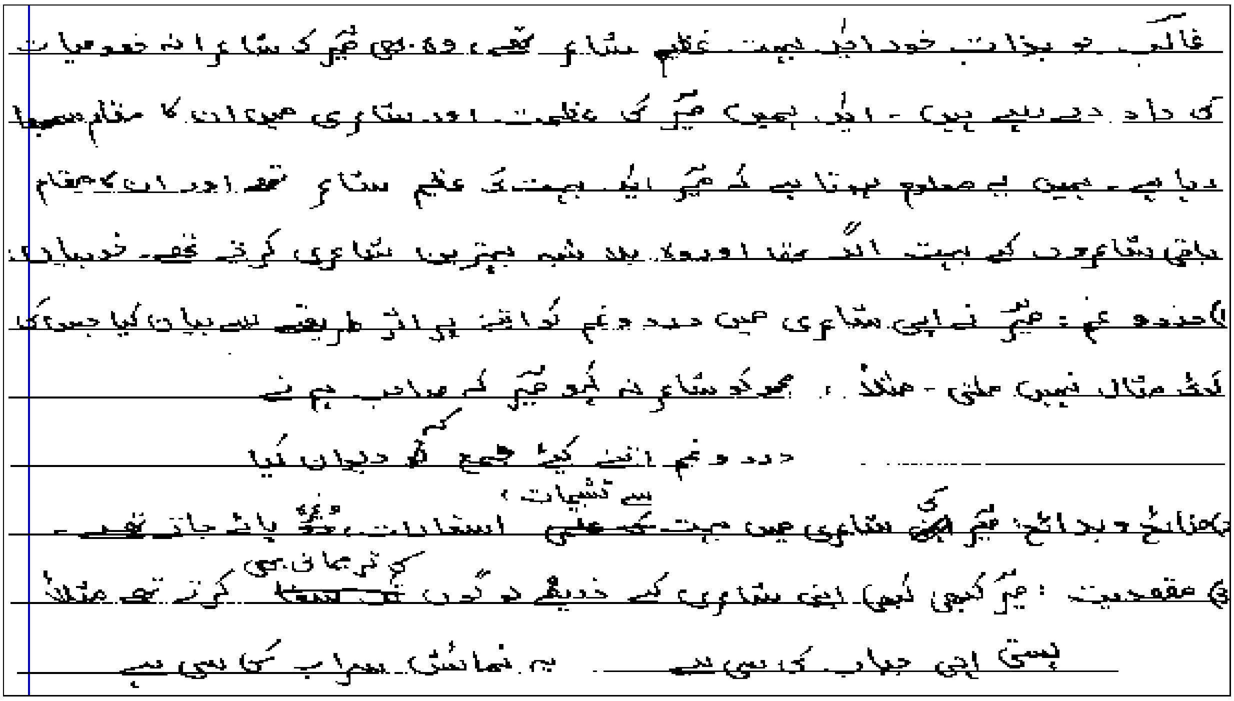
غالب جو بذاتِ خود ایک بہت عظیم شاعر تھے وہ بھی میر کی شاعرانہ خصوصیات
کی داد دیتے ہیں۔ ایک بھی میر کی عظمت اور شاعری میں اُن کا مقام بتا
دیا ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ میر ایک بہت ہی عظیم شاعر تھے اور اُن کا مقام
باقی شاعروں کی بہت آگے تھا اور وہ بلا شبہ بہترین شاعری کرتے تھے۔ خوبیاں:
1) حزن و غم: میر نے اپنی شاعری میں حزن و غم کو اتنے پُر اثر طریقے سے بیان کیا جس کی
کوئی مثال نہیں ملتی۔ مثلاً: مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب ہم نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا
2) صنائع و بدائع: میر کی شاعری میں بہت سی تشبیہات، استعارات وغیرہ پائے جاتے تھے۔
3) مقصدیت: میر کبھی کبھی اپنی شاعری کے ذریعے دوسروں کی ترجمانی بھی کرتے تھے۔ مثلاً
ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

ناقص جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کے تحریر کردہ جوابات میں دو پہلو نظر آئے۔ بعض طلبہ نے میر تقی میر کی ایک یا دو شاعرانہ خصوصیات لکھیں لیکن سوال کے پہلے حصے کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔ بعض طلبہ نے سوال کو سمجھے بغیر جواب میں میر کے بجائے غالب کی عظمت اور شاعرانہ خصوصیاتِ تحریر کیں۔ ناقص جوابات میں جو مثالیں سامنے آئیں، اُن میں طلبہ نے املا کی اغلاط بہت زیادہ کی ہیں۔ خصوصیاتِ شاعری کے لیے بھی مناسب ذخیرۂ الفاظ کا استعمال نہیں کیا گیا جملوں میں ربط و تسلسل کی کمی نے جواب کے تاثر کو مزید کم کر دیا۔

مثال نمبر 1:

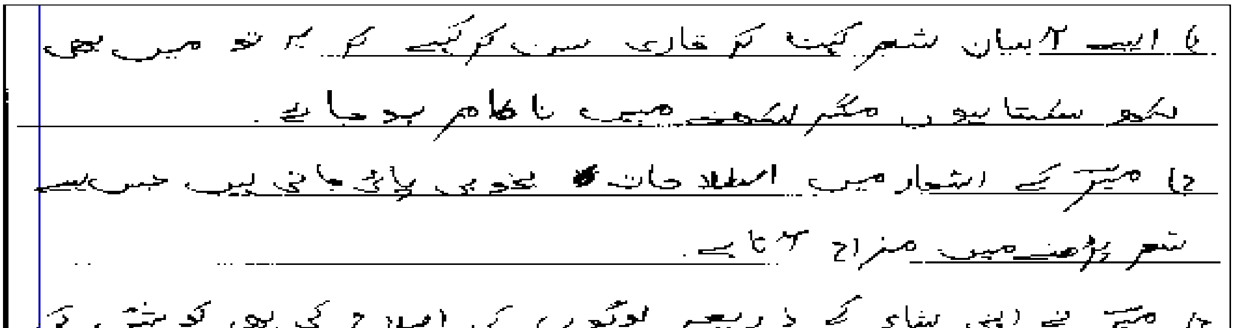
1) ایسے آ بیان شعر کہتے کہ قاری سوچ کر کہے کہ یہ تو میں بھی
لکھ سکتا ہوں مگر لکھنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔
2) میر کے اشعار میں اصطلاحات بخوبی پائی جاتی ہیں جس سے
شعر پڑھنے میں مزاح آتا ہے۔
3) میر نے اپنی شاعر کے ذریعے لوگوں کی اصلاح کی بھی کوشش کی
ہے۔

مثال نمبر2:

مرزا اسداللہ خان غالب کا نام شعری نظریہ میں ہمیشہ
بلند رہا ہے۔ غالب نے شروع شروع میں روایتی شاعری کی
کی جس پر اُنہیں بہت اُجر حاصل ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ
اُن کی شاعری روایت شکنی کا مجموعہ بن گئی۔ وہ محبوب سے اُداسی
اور غفلت سے بھری شاعری لکھتے رہے۔ مرزا غالب کا نام اس لیے
بھی اتنا مشہور ہوا کیونکہ وہ [illegible] ایسی شاعری
لکھتے تھے کہ پڑھنے والا بہ سمجھے کہ وہ بھی ایسا شعر کہہ سکتا ہے
مگر اصلیت میں نہ کرپاتے۔ اس خوبی کو سہلِ ممتنع کہا جاتا ہے۔
مرزا غالب اپنی شاعری میں نئے نئے الفاظ اور تشبیہات
استعمال کرتے تھے اور نکالتے تھے۔

تجاویز:

- اساتذہ کو چاہیے کہ طلبہ میں کو شاعروں کی خصوصیات اور ان کے ادبی مقام پر تبصرہ کرنے کا مواقع فراہم کریں۔
- طلبہ کی رہنمائی کریں کہ پہلے سوال کو غور سے پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کریں اور اس کے بعد جواب تحریر کریں۔
- جس کلمہ ٔامر کا استعمال کرتے ہوئے سوال پوچھا گیا ہے اسی انداز میں جواب دینے کی مشق کمرۂ جماعت میں کرائیں۔

سوال نمبر2:

(د)

آتشِ غم میں دل بھُنا شاید
دیر سے بُو کباب کی سی ہے

درج بالا شعر میں شاعر نے کون سی صنعت استعمال کی ہے؟ نیز اُس صنعت کی تعریف لکھیے۔

بہتر جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کی اکثریت نے اس سوال کے دونوں حصوں کا جواب عمدہ انداز میں تحریر کیا۔ طلبہ نے صنعتوں حسنِ تعلیل اور تشبیہ وغیرہ کی نشان دہی کی اور صنعت کی تعریف بھی درست تحریر کی۔ طلبہ نے اس سوال کے جواب میں بھی مدلل انداز اپنایا اور اپنے جواب کی وضاحت میں کہیں کہیں مثالیں بھی تحریر کیں اگرچہ سوال میں ایسا کرنا شامل نہیں تھا۔ جملوں کے ربط و تسلسل اور موزوں ذخیرۂ الفاظ کے استعمال نے جواب کا تاثر بڑھادیا۔

مثال نمبر1:

درج بالا شعر میں صنعت تعلیل استعمال کی گئی ہیں۔ تعلیل لفظ علت سے نکالا ہے جس کا مطلب کسی چیز کی اصل وجہ بیان کرنا ہے۔ شاعری اصطلاح میں جب شاعر کسی چیز کی خوبی کو بیان کرنے کے لئے اس کی اصل وجہ بیان کرنے کے بجائے کوئی نقلی وجہ بیان کرے تو اس صنعت تعلیل کہا جاتا ہے۔

مثال نمبر2:

اس شعر میں میرنے صنعت تشبیہ استعمال کی ہے۔ تشبیہ سے مراد مشابہت کے ہیں۔ جب شاعر کسی ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے مانند یعنی اس کے جیسا قرار دے تو اسے صنعت تشبیہ کہا جاتا ہے اسکے لیئے لفظ "کی طرح"، "کی جیسی"، "کی سی" استعمال ہوتے ہیں۔

ناقص جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ صنعت کی درست نشان دہی نہیں کر سکے اور درست تعریف بھی نہ لکھ سکے۔ ناقص جوابات کی کچھ مثالوں میں طلبہ نے صنعت کی نشان دہی کرنے اور تعریف لکھنے کی کوشش کی مگر نہ تو صنعت کے نام کے ہجے درست اور نہ تعریف۔ ایسی مثالیں نہم میں نظر آنا عین ممکن ہے مگر گیارھویں جماعت کے طالب علم سے ایسی توقع نہیں رکھی جاتی۔ کچھ طلبہ نے صنعتوں کی جگہ مرکبات کی اقسام سے متعلق تفصیلات درج کیں۔ تحریر میں ربط و تسلسل کی کمی کے علاوہ املا کی اغلاط کا تناسب بھی زیادہ رہا جس کی وجہ سے جواب کے تاثر میں کمی نظر آئی۔

مثال نمبر1 :

اس میں مرکب اضافی استعمال کیا گیا ہے۔ مرکب اضافی دو الفاظ کو زیر سے جوڑتا ہے اور دونوں الفاظ کے معنی ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔

مثال نمبر2:

اس شعر میں شاعر نے آتشِ غم میں دل بھوننے کو
رکھے ہوئے کباب کی بو سے تشبیہ دی ہے۔ تشبیہ کا
مطلب ہوتا ہے ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانا
(ر)

تجاویز:

- ❖ اساتذہ کو چاہیے کہ شاعری کی تدریس کے دوران بجائے کہ خود نشان دہی کریں طلبہ کو صنعتوں کے بارے میں سوچنے کا موقع دیں۔
- ❖ صنعتوں کی بہتر فہم کے لیے کمرۂ جماعت میں مختلف سرگرمیاں کروائیں۔

سوال نمبر2:

(ر)

چارہ سازوں سے الگ ہے میرا معیار کہ میں
زخم کھاؤں گا تو کچھ اور سنور جاؤں گا
زندگی شمع کی مانند جلاتا ہوں ندیمؔ
بجھ تو جاؤں گا مگر صبح تو کر جاؤں گا

درج بالا اشعار کا بنیادی نکتہ وضاحت سے بیان کیجیے اور یہ بھی بتائیے کہ ان اشعار میں شاعری کی کون سی فکری خصوصیت نمایاں ہے؟

نوٹ: ۔طلبہ کی اکثریت بنیادی نکتے کی وضاحت اور شاعری کی فکری خصوصیت کی نشاندہی کرتے ہوئے الجھن کا شکار نظر آئی۔

بہتر جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

بھی طلبہ نے شعر کی تشریح کرتے ہوئے بنیادی نکتہ بیان کیا۔ ایسے جوابات کی کمی شدت سے محسوس کی گئی جن میں طلبہ نے تشریح کا سہارا لیے بغیر بنیادی نکتہ تحریر کیا تاہم طلبہ نے اشعار سے اس پیغام کو بہتر انداز میں تحریر کیا کہ تکالیف انسان کو کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اور تکلیف سہنے والے کو دشوار مرحلوں سے گزرنا ضرور پڑتا ہے لیکن خود اندھیروں کا مقابلے کر کے دوسروں کی زندگیوں میں روشنی لانا انسانیت کی

معراج ہے اور یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ طلبہ نے فکری خصوصیت کے طور پر مشکل حالت میں بھی پر امید رہنے، ہمیشہ مثبت پہلو تلاش کرنے اور رجائیت کی نشاندہی کی۔ بہتر الفاظ کے انتخاب اور جملوں میں ربط و تسلسل نے جواب کے تاثر کو عمدہ کر دیا۔

مثال:

ان اشعار میں شاعر معاشرے کی خرابیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ہر۔ اور
کہتے ہیں کہ لوگوں کی (میری) عادت کچھ ایسی ہے کہ میں جتنے زیادہ زخم کھاؤں
گا اور جتنی بار لڑوں گا اتنا ہی سیکھوں گا اور ایک بہتر انسان بنوں گا۔
شاعر اپنی ذات کی فکر نہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرچہ مجھے کتنی مشکل
اور مصیبتوں کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے لیکن ہم نے اس معاشرے میں
بہتری لانے کیلئے میری تمام تر جدوجہد اور کوشش کام نہ آئی گی۔
یہ معاشرہ میری اس ہی محنت کے سبب تبدیل ہو گا اور بہتر ہو جائے گا۔
ان اشعار میں شاعر نے اس معاشرے کی بہتری کیلئے فکرمندی کا اظہار کیا ہے۔

ناقص جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کی کثیر تعداد غور سے نہ پڑھنے کی وجہ سے اس سوال کا درست جواب تحریر نہیں کر سکی۔ کچھ طلبہ نے اشعار کا لفظی ترجمہ لکھا اور بعض جوابات میں طلبہ نے شاعر احمد ندیم قاسمی کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کی شاعرانہ خصوصیات لکھ ڈالیں۔ طلبہ کی تحریروں میں نہ بنیادی نکتے کی وضاحت نظر آئے اور نہ ہی فکری خصوصیت کی نشان دہی کی گئی۔ طلبہ کی تحریروں میں ربط و تسلسل کی کمی تھی۔ املا کی اغلاط نے جواب کے مجموعی تاثر کو مزید کم کر دیا۔

مثال نمبر 1 :

حقیقت پسندی :- احمد ندیم قاسمی کی ایک حقیقت پسند شاعر تھے
نم پسند سوز و گداس۔ اُن کی شاعری میں سوز و گداس پائی جاتی ہے
تجسس اور دلچسپی :- احمد ندیم قاسمی کی تحریروں میں تجسس اور
دلچسپی پائی جاتی ہے۔ ~~مصاحر~~ اُن کی تحریروں میں اول و آخر تک
ایسا ربط ہوتا ہے کہ قاری کی دلچسپی آخری دم تک ہوتی ہے۔
کردار نگاری :- ندیم کے کردار اتنے خاص نہیں نہ وہ محض فرشتہ، نہ شیطان
لیکن اُن کے
شاعری:- ندیم کی شاعری میں ایسی خصوصیات نمایاں ہیں کہ نئی اور شاعر میں [illegible]

مثال نمبر2:

اس شعر میں شاعر اپنے آپ کو ایک چراغ کی سے تشبیہ دے رہا ہے کہ جیسے چراغ پوری رات جلتا ہے اور صبح تک اس کا تیل جب ختم ہوتا ہے تب وہ بجھ جاتا ہے۔

تجاویز:

- دورانِ تدریس طلبہ کو اشعار کا بنیادی نکتے کی وضاحت کرنے کا موقع دیں۔
- طلبہ کی رہنمائی کریں کہ شعرا کے مختلف اشعار میں موجود فکری خصوصیت کی نشان دہی کر سکیں۔

سوال نمبر3:

آج دنیا بھر کی طرح پاکستان میں بھی بچوں کا عالمی دن پورے جوش اور جذبے سے منایا جائے گا۔(خبر)

دی گئی تصویر پر غور کرنے کے بعد اس کے پس منظر میں ایک روداد یا مکالمہ تحریر کیجیے۔

ہدایات:

1۔ اپنی تحریر کا عنوان تجویز کیجیے۔

2۔ حالیہ واقعات کو مدِّ نظر رکھیے۔

3۔ طنز و مزاح کی خوبی کو اپنی تحریر کا حصّہ بنائیے۔

4۔ لکھنے کے لیے جس صنف کا انتخاب کریں اُس پر ✓ کا نشان لگائیں۔

مکالمہ / روداد

بہتر جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کی اکثریت نے اس سوال کے عمدہ جوابات تحریر کیے۔ طلبہ نے سوال سے متعلق ہدایات پر غور کیا اور اپنے جوابات اسی ترتیب سے تحریر کیے۔ اپنی تحریر کو عنوان دیا۔ مواد سے مطابقت رکھنے والے خیالات کو مکالمے یا روداد کے سانچے میں ڈالا۔ طلبہ نے اپنی تحریروں میں دی گئی تصویر سے ربط پیدا کرتے ہوئے بچوں کے حقوق کے حوالے سے موجودہ حالات کو پیشِ نظر رکھا اور ان تمام مسائل کی نشان دہی کی جن سے آج دنیا بھر کے بچے دوچار ہیں۔ طلبہ نے روداد یا مکالمہ تحریر کرتے ہوئے ساخت کو بہ خوبی نبھایا۔ معاشرے کے بے حس رویوں پر طنز کیا اور ایسے لوگوں کا مذاق بھی اڑایا جو بچوں کے حقوق کے نعرے تو لگاتے ہیں لیکن عملاً کچھ نہیں کرتے۔ تحریروں میں قواعد، صنعتوں اور بدیع کی اصطلاحات کے استعمال سے طلبہ نے اپنی تحریر کو دلکش بنایا۔ جملوں کے ربط و تسلسل اور ذخیرۂ الفاظ کے بہتر چناؤ نے تحریر کے مجموعی تاثر کو مزید بہتر کر دیا۔

مثال:

روداد / مکالمہ

بچوں کے عالمی دن کا مستحق کون؟

بچوں کے حقوق ریلی میں شامل دو دوست علی اور اسد بینر پکڑے بچوں کا عالمی دن منانے شہر کی بڑی شاہراہ سے گزر رہے تھے۔

علی [جوش میں]: اسد! آج کا دن میری زندگی کا سب سے اچھا دن ہے میں نے کبھی ایسا جوش و ولولہ نہیں دیکھا ہے مجھے بہت مزہ آرہا ہے۔

اسد [بات سے اتفاق کرتے ہوئے]: صحیح کہا۔ دیکھو ہر جانب بچے ہی بچے نظر آرہے ہیں سب خوش ہیں۔ رنگ برنگے پوسٹرز، غبارے اور جگہ جگہ ہماری تفریح کا سامان کتنا دلچسپ معلوم ہو رہا ہے۔

[چلتے چلتے اچانک دونوں کی نظر سڑک کے دائیں کونے پر پڑی۔ ایک کم عمر لڑکا جو پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس کوڑا کرکٹ اٹھانے میں مشغول تھا۔]

علی [اشارہ کرتے ہوئے]: اسد وہ دیکھو! یہ لڑکا بھی ہماری عمر کا معلوم ہوتا ہے یہ بھی بچہ ہے۔ لیکن بیچارہ آج بھی اپنا گزارہ روزگار کے حصول کے لیے کچرا اٹھا رہا ہے

اسد [لڑکے کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے]: تمہارا نام کیا ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں آج ملک بھر میں بچوں کا عالمی دن منایا جا رہا ہے؟

حامد [آنسو پونچھتے ہوئے]: میرا نام حامد ہے۔ میں بہت غریب ہوں۔ اپنے گھر کا سارا خرچ میں ہی چلاتا ہوں۔ ~~ہمارے لیے~~ یہ چھٹیاں اور خوشیاں ہمارے نصیب میں نہیں ہیں۔

علی [افسردگی سے] : کس قدر افسوس کی بات ہے کہ حکومت نے تعطیل کا اعلان تو کر دیا لیکن ان مفلسوں اور بے سہاراؤں کا ایک بار بھی نہیں سوچا۔ یہ بھی کسی کے بچے ہیں ان کا بھی خوش ہونے کا، جشن منانے کا اتنا ہی حق ہے جتنا ہمارا ہے۔ مگر۔۔۔۔

اسد [بات کاٹتے ہوئے] : نہیں علی! یہ بیچارے تو ہم سے بھی زیادہ اس کے حق دار ہیں۔ یہ دن بھر محنت مزدوری کر کے اپنے گھر والوں کے لئے دو وقت کی روٹی کا بندوبست کرتے ہیں اور ہمارے معاشرے کے افراد انہیں نیچ اور حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔

علی : بچوں سے محنت مزدوری کروانا تو سراسر قانون کے خلاف ہے۔ ہمارے حکمران خود قانون شکنی کر رہے ہیں۔

اسد [حامد سے مخاطب ہوتے ہوئے] : حامد تم ہمارے ساتھ چلو۔ آج کے دن تم بھی اس ریلی کا حصہ بنو اور اس معاشرے کے لوگوں سے اپنا حق طلب کرو۔

حامد [گھبراتے ہوئے] : مگر میری روزی ۔۔۔۔۔۔

علی : تم فکر کیوں کرتے ہو؟ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ آج ہم اپنی جیب خرچ سے تمہارے ساتھ بانٹیں گے۔ چلو ہمارے ساتھ۔

اسد [خوشی میں] : میں بابا سے تمہارے متعلق بات کروں گا۔ ان سے التجا کروں گا کہ وہ تمہاری پڑھائی ~~لکھائی~~ کے اخراجات اٹھا لیں۔ ساتھ ہی تمہارے گھر کے راشن کا بھی انتظام کر لیں۔

حامد [~~مغموم~~ مقروض و مشکور لہجے میں] : آپ دونوں کا بہت بہت شکریہ۔ میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ آپ دونوں کے توسط سے ~~[illegible]~~ میں اپنی پڑھائی مکمل کر پاؤں گا۔

علی [حامد کے گلے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے] : اور آج تمہاری وجہ سے ہمارا دن پر معنی بن گیا ہے۔ شکریہ۔

ناقص جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کی کم تعداد ایسی تھی جو تصویر اور موضوع میں ربط پیدا نہیں کر سکے۔ طلبہ نے بچوں کے عالمی دن کے حوالے سے حالاتِ حاضرہ کا سطحی جائزہ لیا یا اس پہلو کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔ طنز و مزاح کے عنصر کے اظہار میں کہیں کہیں زبان کی ناشائستگی اور بڑوں کے احترام کے پہلوؤں کو بھی ملحوظِ خاطر نہیں رکھا۔ کچھ طلبہ نے روداد کی جگہ مضمون تحریر کر دیا۔ اپنی تحریر کو موزوں عنوان نہیں دیا اور اپنے خیالات کو بھی درست طریقے سے ترتیب نہ دے سکے۔ ایک پیراگراف یا دو پیراگراف تحریر کیے۔ طلبہ نے مکالمے اور روداد کی ساخت میں بھی غلطیاں کیں تاہم مکالمہ کی ساخت روداد کے مقابلے میں بہتر تھی۔ جملوں میں ربط و تسلسل کی کمی، املا کی اغلاط اور ذخیرۂ الفاظ کی کمی نے جواب تاثر کو مزید کم کر دیا۔

مثال:

روداد/ مکالمہ

(ماں اور بیٹے کے درمیان گفتگو کا منظر)

(بیٹا اسکول سے گھر پہنچا)

بیٹا: اسلام وعلیکم ماں

ماں: وعلیکم اسلام اچھا بچا۔ بیٹا گھر آگیا۔

بیٹا: جی اماں آپ کو دیکھ تو رہا ہوں پھر بھی یہ بھی پوچھ رہی ہو۔

ماں: آج اسکول میں کیا ہوا میں نے خبر سنی تھی کہ آج اسکول میں عالمی بچوں کا عالمی دن منایا جائے گا۔

بیٹا: بس یہ صرف ایک خبر ہی ہے حقیقت تو کچھ اور ہی ہے۔

ماں: آج ایسا کیا ہوا جو اتنا اداس دکھ رہا ہے۔

بیٹا: آج عالمی دن تو نہیں منایا گیا۔

ماں: کیوں پھر کیا ہوا آج۔

بیٹا: ماں روزانہ کی طرح ہے! وہی بلکہ آج تو زیادہ کام ہوا۔

ماں: اچھی بات ہے یہ تو؟

بیٹا: اس میں کیا اچھی بات ہے آپ کو ہمارا اندازہ نہیں ہے ایک ایک دن چھوٹی کا انتظار کرتے ہیں۔ آج تو سوچ کے گیا تھا بچوں کے دن میں کچھ نہیں ہوگا

بچہ: میں بھی تو یہی بول رہا ہوں آپ سمجھ نہیں رہیں
اب مجھے بہت بھوک لگی ہے۔
ماں: آجاؤ کھانا کھا لو سب انتظام کر کے
رکھا ہے۔
بچہ: جی ماں آ گیا!

ماں: چلو آج اس دن کو منانے کے
لیے ہم گانے جاتے ہیں
(بچہ خوشی سے بولا)
بچہ: نہیں نہیں ابھی میں سو جاتا ہوں (اٹھ کر چلے
گئے)
ماں: ٹھیک جاؤ سو جاؤ اور خوش ہو جاؤ

تجاویز:

- اساتذہ طلبہ کی رہنمائی کریں کہ تخلیقی تحریر کے لیے جس صنف کا انتخاب کریں اس کے تمام لوازمات ترتیب و تسلسل سے نبھائیں۔
- مختلف ٹی وی چینلز اور اخبارات کے کارٹون جو حالاتِ حاضرہ کی بہترین عکاسی کرتے ہیں، کمرۂ جماعت میں ان پر تبصرہ کرنے اور اپنے خیالات کو تحریر کرنے کا موقع دیں۔

سوال نمبر4:

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ تمباکو نوشی انسانی صحت کے لیے کس قدر مضر ہے۔ جرمن قانون کے مطابق کھلے عام سگریٹ نوشی کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن ایک جرمن شخص اور اس کی اہلیہ اپنے گھر کے باغ میں بھی صرف عدالتی ٹائم ٹیبل کے مطابق ہی تمباکو نوشی کر سکتے ہیں۔

درج بالا خبر کے متن کے پیشِ نظر اخبار کے مدیر کو خط لکھیے اور ان کی وساطت سے یہ پیغام عام کیجیے کہ ایسے اقدامات اگر ہمارے ملک کے قانون کا حصہ بن جائیں تو کروڑوں کی تعداد میں لوگ براہ راست یا بالواسطہ تمباکو کے دھوئیں سے محفوظ ہو جائیں۔ خط میں کوئی سے **تین** اقدامات بھی تجویز کیجیے۔

بہتر جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کی اکثریت نے اس سوال کو بغور پڑھا اور اس کا جواب بہتر انداز میں دیا۔ رسمی خط کے ذریعے اخبار کے مدیر کو وہ اہم پیغام پہنچایا جس کا طلبہ سے تقاضا کیا گیا تھا۔ طلبہ نے تمباکو نوشی کے نقصانات سے بچنے کے سلسلے میں تین اقدامات تجویز کیے۔ رسمی خط کی پیشانی، القاب و آداب، نفسِ مضمون اور اختتام کو نبھایا۔ جماعتی سطح کے مطابق بہتر ذخیرۂ الفاظ کا انتخاب کیا۔ جملوں میں ربط و تسلسل برقرار رکھا۔ بہتر جوابات میں مجموعی طور پر جواب کا تاثر بہتر رہا۔

مثال:

روزنامہ جنگ،
ا-ب-ج روڈ،
کراچی۔

جنابِ عالی!

میں آپ کے اخبار کی مستقل قاری ہوں اور مجھے یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی ہے کہ آپ نے اپنے اخبار کا ایک صفحہ عوامی مسائل کے لیے مختص کر دیا ہے۔ لہٰذا میں آپ کے موقر اخبار کے توسط سے حکامِ بالا کی توجہ ایک اہم مسئلہ کی جانب مبذول کرانا چاہتی ہوں تاکہ معاشرے کی بہتری کے لیے اقدام اٹھائے جا سکیں۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ تمباکو نوشی کا رجحان ہمارے معاشرے میں عام ہوتا جا رہا ہے جس کی لپیٹ اور شکنجے میں نوجوان نسل آ رہی ہے۔ یہ صرف ماحولی آلودگی میں ہی اضافہ نہیں کرتی بلکہ ساتھ ہی ساتھ اس برائی کو اپنانے والے اور اس کے عزیز و اقارب کی صحت پر بھی منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔ حال ہی میں پاکستان میں بڑھتے ہوئے کینسر کی وجہ تمباکو نوشی کو قرار دیا گیا ہے۔ گزشتہ دنوں جرمن قانون کے تحت کھلے عام سگریٹ نوشی پر پابندی عائد کر دی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ عدالتی نظام میں بھی جاری کیا ہے۔ ایسے اقدامات ہمارے ملک کے لیے بھی مثبت ثابت ہو سکتے ہیں۔ میری تجویز ہے کہ اسکول، ہسپتال، تفریح گاہوں پر تمباکو نوشی کو ممنوع قرار دیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ جرمانہ بھی لاگو کیا جائے۔ آفس میں اس کے لیے بیرونِ ملک کی طرح الگ کمرے مختص کیے جائیں تاکہ عام عوام اس کی زد میں نہ آئے۔ چونکہ یہ دور میڈیا کا ہے لہٰذا میڈیا کے ذریعے اس خرافات کے متعلق بھرپور آگاہی دی جائے اور اس فعل کو امیرانہ ٹھاٹھ بنا کر پیش نہ کیا جائے۔ تمباکو کے ٹیکس زیادہ سے زیادہ حکومت کی جانب سے لگائے جائیں تاکہ اس کے منفی اثرات کم ہوں۔

امید کرتی ہوں کہ آپ ان پر عمل کر کے عوام کی آواز کو حکامِ بالا تک لے جائیں گے اور اس مراسلہ کو اپنے اخبار میں جگہ دیں گے۔ یہ مراسلہ آپ کی توجہ کا طلبگار ہے۔

مورخہ: ۱۱ مئی ۲۰۱۹ء

فقط
ذمہ دار شہری

ناقص جوابات کی صورت جو مثالیں سامنے آئیں اُن میں:

طلبہ کی کم تعداد ایسی تھی جنھوں نے رسمی خط کو بہتر انداز میں تحریر نہ کیا۔ رسمی خط کے اجزا کی بہتر سمجھ طلبہ کو نہیں تھی۔ کچھ طلبہ نے خط کے موضوع یا بنیادی پیغام کو نہیں سمجھا اور سوال میں دیے گئے متن کو جگہ جگہ من و عن نقل کیا تاکہ دی گئی سطور مکمل کر سکیں۔ ناقص جوابات کی مثالوں میں طلبہ کے جوابات کافی مایوس کن نظر آئے۔ املا کی اغلاط بے تحاشا نظر آئیں۔ ذخیرۂ الفاظ کی کمی اور بے ربط جملوں نے جواب کا تاثر مزید کم کر دیا۔

مثال:

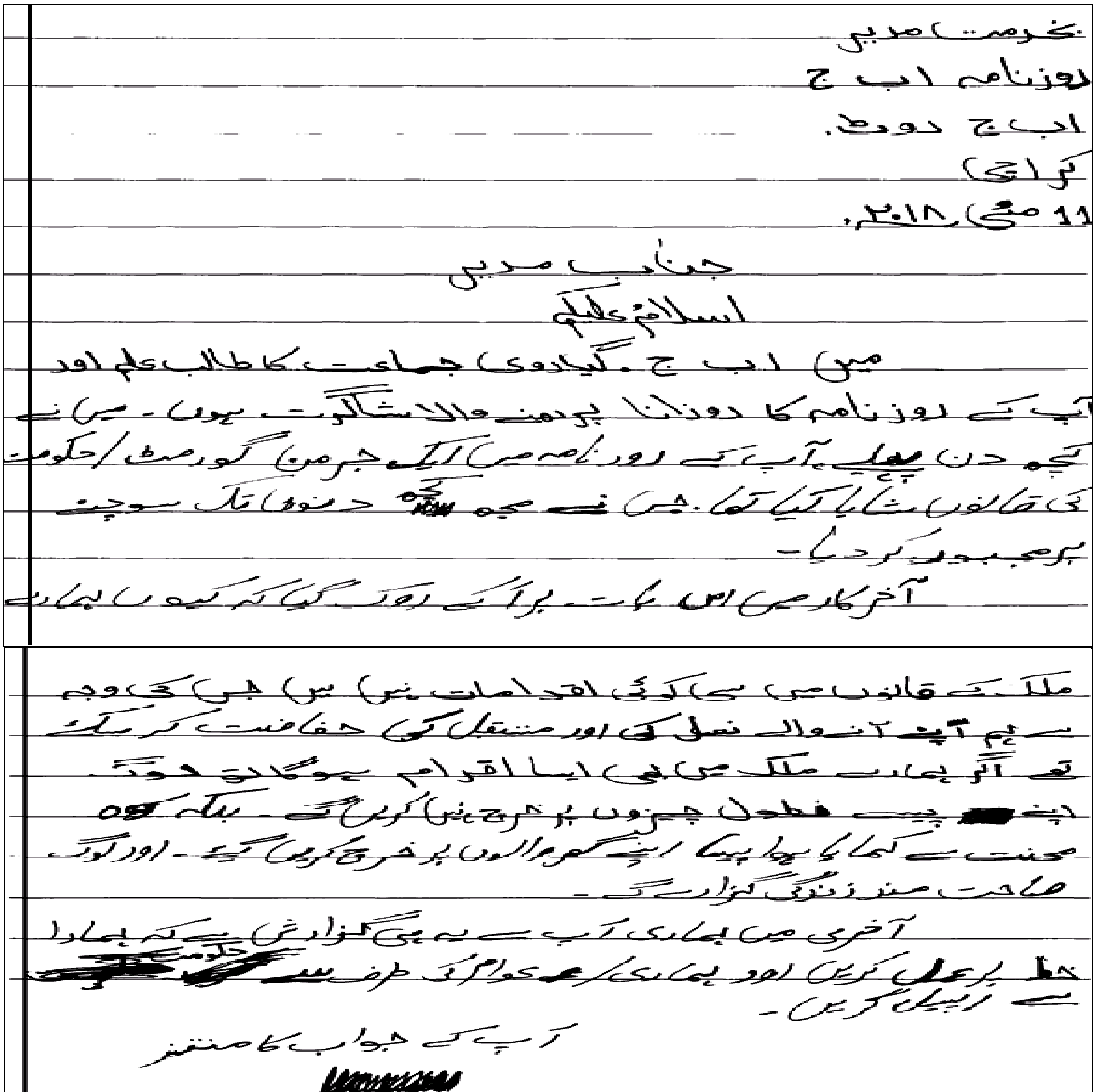
بخدمت مدیر
روزنامہ ا ب ج
ا ب ج روڈ.
کراچی
۱۱ مئی ۲۰۱۸ء.
جناب مدیر
اسلام علیکم
میں ا ب ج. گیارہوی جماعت کا طالب علم اور
آپ کے روز نامہ کا روزانا پڑھنے والا شکوت ہوں۔ میں نے
کچھ دن پہلے آپ کے روزنامہ میں ایک جرمن گورمنٹ/حکومت
کی قانون شایا کیا گیا تھا۔ جس نے مجھ کچھ دنوں تک سوچنے
پر مجبور کر دیا۔
آخر کار میں اس بات پر آ کے رک گیا کہ کیوں ہمارے
ملک کے قانون میں بھی کوئی اقدامات نہیں ہیں جس کی وجہ
سے ہم آنے والے نسل کی اور مستقبل کی حفاظت کر سکے
تھے اگر ہمارے ملک میں بھی ایسا اقدام ہوگا تو لوگ
اپنے پیسے فضول چیزوں پر خرچ نہیں کریں گے۔ بلکہ
محنت سے کمایا ہوا پیسا اپنے گھروالوں پر خرچ کریں گے۔ اور لوگ
صاحت مند زندگی گزاریں گے۔
آخری میں ہماری آپ سے یہ ہی گزارش ہے کہ ہمارا
خط پر عمل کریں اور ہماری حکومت عوام کی طرف سے
سے اپیل کریں۔
آپ کے جواب کا منتظر
[redacted]
ا ب ج

تجاویز:

- ❖ اساتذہ کو چاہیے کہ طلبہ کو رسمی خط میں استعمال کی جانے والی زبان سے روشناس کروائیں۔
- ❖ رسمی اور غیر رسمی خط کے القاب و آداب اور متن کا فرق بتائیں۔
- ❖ مختلف اخبارات ور سائل میں چھپنے والے خطوط بنام مدیر کا مطالعہ کرنے کا موقع دیں تاکہ ان کی فہم بہتر ہو سکے۔